ڈاکٹر محمد طاہر ملک

رئیس کلیہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی

وصیت عبدالکریم بن محمد لاہوری

متوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۳ء

مصنف کے حالات

عبدالکریم بن محمد لاہوری کی سوانح حیات کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتہ چل سکا ہے کہ وہ کم از کم ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۳ء تک زندہ تھے[1] ان کے والد کا نام محمد تھا[2] لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر زبید احمد نے عبدالکریم لاہوری کو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا بیٹا بتایا ہے[3] جو دربار اکبری

---

[1] "عقاید الموحدین" (مخطوطہ) مولفہ عبدالکریم بن محمد لاہوری، نمبر ۵۷۲ Pet ۱۸۴۸ء، برلن یونیورسٹی۔ (وکان الفراغ من تالیف ھذہ الرسالۃ الشریفۃ فی سنۃ الف وسبعین ......)؛

معجم المؤلفین، کحالہ، ۵: ۳۰۵ اور بروکلمان ۲: ۵۵۳ میں مذکور ہے کہ عبدالکریم کی وفات تقریبًا ۱۰۰۶ھ/۱۶۰۱ء میں ہوئی تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۳۲۰) میں سنِ وفات ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء ہے JOHN A. SUBHAN نے بھی اپنی کتاب (SUFISM)، ص ۲۵۴ میں یہی تاریخ لکھی ہے۔

[2] مصنف کی تین کتابیں (۱) وصیۃ (۲) منتقی مطالب السالکین اور (۳) عقایٔد الموحدین برلن یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں اور ان کی فوٹو کاپیاں میرے پاس موجود ہیں۔ ان تینوں کتابوں میں مولف کے والد کا نام "محمد" صراحتًا موجود ہے ـــ عبدالکریم بن محمد لاہوری کی ایک اور کتاب "الرسالۃ فی التصوف" کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی کتاب (CONTRIBUTION OF INDIA TO ARABIC LITERATURE, P 35?, 1967) میں کیا ہے جو بقول ان کے آصفیہ لائبریری، حیدرآباد دکن میں موجود ہے اور اس کا کیٹیلاگ نمبر: ۳۶۶ ہے۔

[3] ڈاکٹر زبید احمد نے "خزینۃ الاصفیا" مصنفہ غلام سرور لاہوری کے بیان کو پایا ہے اور یہ تو کہا ہے کہ "عبدالکریم کے والد مخدوم ملک عبداللہ انصاری" تھے۔ لیکن خزینۃ الاصفیا نے اس بیان کا ذکر نہیں کیا کہ عبدالکریم لاہوری "شرح

کے مشہور و معروف علما میں سے تھے[۴] اسی مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے متعلق بدایونی نے لکھا ہے ہے کہ ان کی اولاد میں سے چند ناخلف لڑکے رہ گئے ہیں جو چنداں لائق ذکر نہیں ہیں[۵]۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ بدایونی مخدوم الملک کا بدنام علما میں شمار ہونے کے باوجود اس کی علمیت کا اعتراف تو کرے[۶] لیکن اس کی اولاد کے بارے میں یہ لکھتے کہ چنداں لائق ذکر نہیں جب کہ مخدوم الملک کا ایک لڑکا یعنی عبدالکریم نیک و صالح ہونے کے ساتھ ساتھ کئی کتابوں کا مصنف بھی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ "عبدالکریم" نام کے دو بزرگ اس صدی میں ہم عصر تھے ان میں ایک چشتیہ سلسلے کے بزرگ ہیں جو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کی اولاد ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ بدایونی کے مندرجہ بالا بیان کو "کہ مخدوم الملک کی اولاد میں سے چند ناخلف لڑکے رہ گئے ہیں جو چنداں قابلِ ذکر نہیں" کوئی اہمیت نہ دی جائے اور دوسرے "عبدالکریم" وہ تھے جن کے والد کا نام محمد تھا اور جن کی ایک کتاب زیر بحث ہے۔

عبدالکریم لاہوری کو مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا لڑکا ہونے کو مفتی غلام سرور لاہوری (۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء) نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: خزینۃ الاصفیاء ۱: ۴۷۰، حدیقۃ الاولیا ص ۹۱، ۹۲ (اردو ترجمہ) یہ بیان مختلف اعتبار سے محل نظر ہے۔

فصوص الحکم" اور "اسرارِ عجیبہ" کے مصنف تھے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دونوں کتابیں فارسی زبان میں ہیں، لیکن ڈاکٹر زبید احمد کو برلن یونیورسٹی میں عبدعبدالکریم لاہوری کی موجود تین کتابوں میں سے کسی کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، ورنہ وہ ایسا نہ لکھتے، اس لیے کہ برلن یونیورسٹی میں موجود تینوں کتابوں میں "عبدالکریم بن محمد لاہوری" لکھا ہوا ہے، نہ کہ عبدالکریم بن مخدوم الملک عبداللہ انصاری"۔

[۴] بدایونی، منتخب التواریخ (ترجمہ محمود احمد فاروقی، ۱۹۶۲ء) ص ۶۰۰۔ خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور لاہوری، ۲: ۴۷۴ نزہۃ الخواطر، عبدالحی لکھنوی، ۴: ۲۰۶، ۲۰۸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (اردو)، ص ۳۲۔ تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد، تاریخ فرشتہ ۱: ۲۴۹ سے آگے

[۵] منتخب التواریخ، ص ۶۰۱

[۶] منتخب التواریخ، ص ۶۰۱ تذکرہ مولانا آزاد۔ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۲۰۔ ص ۳۳-۵۵۔ تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند، مسعود عالم ندوی، دار العربیۃ ص ۶۴-۶۵

۱۔ عبدالکریم کے والد شیخ مخدوم عبداللہ انصاری کو اکبر بادشاہ نے ہندوستان سے نکال دیا اور حرمین شریفین بھیج دیا تو عبدالکریم بھی ان کے ساتھ تھے (خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۴۷۰)

۲۔ عبدالکریم حمادی الملک عبداللہ انصاری کے لڑکے تھے جو سرکار شاہی میں ایک امیر کبیر تھے عبدالکریم شیخ نظام الدین بلخی (۱۰۲۴ھ/۱۶۱۵ء) کے مرید تھے اور جب اکبر بادشاہ نے نظام الدین بلخی کو ہندوستان سے نکال دیا اور حرمین شریفین بھیج دیا تو عبدالکریم بھی ان کے ہمراہ تھے۔ (حدیقۃ الاولیاء، ص ۹۲)

۳۔ نظام الدین بلخی نے جہانگیر بادشاہ کے باغی بیٹے شہزادہ خسرو کی دل جوئی اور اس کے لیے دعا کی تو جہانگیر نے ان کو ہندوستان سے نکال دیا اور وہ حرمین شریفین چلے گئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۴۶۴)

۴۔ عبدالکریم دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے، ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ اور دوسری دفعہ پیدل اپنے احباب کے ساتھ۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ : ۴۷۰)

۵۔ مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا انتقال ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء میں ہوا۔ (خزینۃ الاصفیاء، ۱ : ۴۸۸)

۶۔ عبدالکریم کا انتقال ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں ہوا۔ (خزینۃ الاصفیاء، ۱ : ۴۷۰۔ حدیقۃ الاولیاء، ص ۹۲)

مندرجہ بالا بیانات میں جو تضاد ہے وہ یہ ہے :

الف : عبداللہ انصاری کو ایک جگہ "مخدوم الملک" اور دوسری جگہ "حمادی الملک" ظاہر کیا گیا ہے۔

ب : ایک بیان ہے کہ "مخدوم الملک" کو اکبر نے ملک بدر کیا تو عبدالکریم ان کے ساتھ تھے جبکہ دوسرا بیان ہے کہ جب اکبر نے "نظام الدین بلخی" کو ملک بدر کیا تو عبدالکریم ان کے ساتھ تھے، اس سلسلے میں تیسرا بیان یہ ہے کہ نظام الدین بلخی کو اکبر نے نہیں بلکہ جہان گیر نے ملک بدر کیا تھا۔

ج : ایک بیان یہ ہے کہ عبدالکریم دو دفعہ حج کے لیے تشریف لے گئے ایک دفعہ اپنے والد کے ساتھ اور دوسری دفعہ اپنے احباب کے ساتھ پیدل تشریف لے گئے تھے (خزینۃ الاصفیاء، ۱ : ۴۷۰) لیکن اوپر کے بیان نمبر ۱ اور ۲ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے باپ "مخدوم الملک" کے ساتھ اور دوسری دفعہ اپنے شیخ نظام الدین کے تھا۔

د : خزینۃ الاصفیاء کے مطابق مخدوم الملک کی وفات ۱۰۰۶ھ/۱۵۹۷ء میں ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مخدوم الملک کا انتقال ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں ہوا (منتخب التواریخ، ص ۶۰۱) اور یہی سن

وفات اکبرنامہ جلد سوم ص ۳۸۷ اور تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۵ میں مذکور ہے، اور ثانی الذکر ہی سال وفات صحیح ہے۔ جو مورخوں نے تسلیم کیا ہے

۵ خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیا میں عبدالکریم کا سن وفات ۱۰۴۵ھ/۱۳۶۵ء مذکور ہے اور اسی کو تمام دیگر مصنفوں نے مانا ہے لیکن یہ سن وفات اس امر کے پیش نظر ہے کہ عبدالکریم نے ایک کتاب ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء میں لکھی تھی غلط ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں نمبر ۱ بالا۔

و ایک اہم بات عبدالکریم کی نسبت سے بھی قابل غور ہے، خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء میں ان کی دو فارسی کتابوں یعنی "شرح فصوص الحکم" اور "اسرار عجیبہ" کا ذکر ہے اس سلسلے میں حال ہی میں ڈاکٹر ظہیر الدین احمد نے مزید دو کتابوں کا اضافہ کیا ہے، اول "مصباح العارفین" جس کا صرف قلمی نسخہ موجود ہے (پاکستان میں فارسی ادب ۲: ۲۸۲) دوم "رسالہ در تربیت سلوک" جو مولوی محمد شفیع کے کتب خانے میں شمار نمبر ۴۰ پر موجود ہے (پاکستان میں فارسی ادب، ۳: ۵۰۵)۔

موخر الذکر کتاب یعنی رسالہ در تربیت سلوک کے سلسلے میں جو نوٹ ڈاکٹر ظہیر الدین نے لکھا وہ بہت ہی اہم ہے اس لیے کہ اس کی بناء پر کتاب کے مصنف کی حیثیت سے زیر بحث "عبدالکریم" کا نام مشتبہ ہو جاتا ہے۔

" اس (رسالہ در تربیت سلوک) کے مصنف عبدالکریم لاہوری ہیں یقینی طور پر مشخص نہیں ہو سکا کہ یہ عبدالکریم کون بزرگ ہیں۔ اس نام کے ایک عالم وصوفی مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کے خلف الرشید تھے۔ . . . . وہ ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں فوت ہوئے۔ اس رسالے کی تالیف کا زمانہ ان کی زندگی سے مطابقت رکھتا ہے، لیکن صرف ایک بات مشتبہ ہے، ان کے متعلق معلوم ہے کہ وہ چشتیہ سلسلے سے وابستہ تھے۔ لیکن اس رسالے میں انھوں نے نقشبندیہ مسلک کے مطابق سلوک وطریقت کے مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اس رسالے کی تمہید میں مصنف نے لکھا ہے کہ سلوک کے اختلافی مسائل کی وضاحت کے لیے لوگوں نے "میانجو" سے درخواست کی "میانجو" نے عبدالکریم کو اس کی توضیح وتشریح کے لیے رسالہ لکھنے کے متعلق ارشاد فرمایا:

ڈاکٹر محمد بشیر حسین کا خیال ہے کہ "میانجو" سے مراد حضرت "میاں میر" (۱۰۴۵/۱۶۳۴ء) ہیں، یہ قیاس صحیح نہیں ہے، ایک تو یہ کہ یہ قادریہ سلسلے کے بزرگ ہیں، دوسرے یہ کہ اس سلسلے کے

اخیر میں مصنف نے لکھا ہے:

"کمال علم مجلس خاص کہ خاصہ کشف حضرت میانخواست، آنرا وصول دارد و شرح این حد کتاب خلاصۃ المعارف قسم ثانی از نکات الاسرار از خود مبین و مفصل ساختہ اند، آنچہ مطالعہ نماید (فہرست مخطوطات شفیع، مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۳۶۲) خلاصۃ المعارف اور نکات الاسرار، حضرت آدم بنوری نقشبندی (۱۰۵۲ھ) کی تالیف ہیں:..... متن کی تشریح نقشبندیہ طریقت سے مطابقت رکھتی ہے"۔ (پاکستان میں فارسی ادب، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، جلد سوم، ص ۵۰۵ - ۵۰۷ ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء۔

مزید براں، اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ عبدالکریم نامی کی ایک کتاب "شرح بسم اللہ" کا پتا حال ہی میں چلا ہے، ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات، سندھی ادبی بورڈ، مرتبہ ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیر الدین (غیر مطبوعہ) مخطوطہ نمبر ۲۶۳۔

ذ۔ بدایونی کا یہ بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ "مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کی اولاد میں چند ناخلف رہ گئے ہیں۔ جو چنداں لائق ذکر نہیں"۔ (منتخب التواریخ، ص ۶۰۰)

مندرجہ بالا مباحث کا تجزیہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ "عبدالکریم" نام کے تین اشخاص ہمعصر تھے ایک زیر بحث عبدالکریم بن محمد جن کا انتقال کم از کم ۱۰۷۰ھ/۱۶۵۹ء میں ہوا اور جن کی تین کتابیں برلن یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔

دوسرے عبدالکریم انصاری وہ ہیں جن کا انتقال ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء میں ہوا، جن کی تصانیف "شرح فصوص الحکم"، "اسرار عجیبہ" وغیرہ ہیں۔ ان کا بھی مخدوم الملک عبداللہ انصاری کا بیٹا ہونا متعین نہیں ہے، اگر بدایونی کے بیان کو اہمیت دی جائے۔

تیسرے "عبدالکریم" جو "رسالہ تربیت و سلوک" کے مصنف تھے اور جن کا سن وفات متعین نہیں ہو سکا ہے۔

عبدالکریم بن محمد کی تصانیف

عبدالکریم بن محمد لاہوری مندرجہ ذیل چار کتابوں کے مصنف تھے:

الولی حیدرآباد

۱۔۔۔ عقاید الموحدین

۲۔۔۔ منتہی مطالب السالکین

۳۔۔۔ وصیہ

۴۔۔۔ الرسالۃ فی التصوف[۵]

مندرجہ بالا کتابوں میں سے "وصیۃ" کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

مخطوطے کی تعریف

برلن یونیورسٹی کی لائبریری میں مخطوطہ محفوظ ہے، جس کا کیٹلاگ نمبر PET ۵۷۲- ۸۔۲۱ ہے چند دیگر مخطوطوں کی یکجا جلد بندی کی گئی ہے "وصیۃ" کا تیسرا نمبر ہے اور ۲۸ب سے ۳۲ب تک صرف ۷ صفحوں پر مشتمل ہے۔ جس کا کوئی عنوان کاتب نے نہیں لکھا ہے، صرف اس بنیاد پر کہ مذکورہ مخطوطہ وصیتوں پر مشتمل ہے، کیٹلاگ میں اس کو "وصیۃ" ظاہر کیا گیا ہے۔

کتاب کا سائز ۱۴×۹ سم ہے اور ہر صفحے پر ۱۷ سطریں ہیں، کتابت اور ستھری ہے سن کتابت مذکور نہیں ہے اور نہ ہی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ "اصل" سے اس کا مقابلہ کیا گیا تھا یا نہیں اور نہ ہی کسی کاتب کا نام درج ہے۔

مصنف نے جا بجا قرآنی آیات اور احادیث پیش کی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ صوفیوں اور بزرگوں کے اقوال بھی بطور استدلال مرقوم ہیں۔

(ق ۳۰ ب) پر "کما قال الحق جل شانہ فی الحدیث القدسی" کتابت کی غلطی ہے اس لیے کہ حدیث قدسی میں نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی ہے نہ کہ اللہ کی طرف،

---

[۵] زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۳ء ص ۲۶۳-۱۰۶

پہلی تین کتابوں کے مخطوطہ برلن یونیورسٹی لائبریری میں حسب ترتیب کیٹلاگ نمبر ۱۸۴۸، ۸۔۲۱، ۸۔۲۱ موجود ہیں اور ان تینوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں راقم الحروف نے حاصل کر لی ہیں لیکن چوتھی کتاب "الرسالۃ فی التصوف" مخطوطہ بقول زبید احمد آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن میں موجود ہے (۱: ۳۶۶) نہ تو اس کی فوٹو کاپی مل سکی ہے اور نہ ہی اسے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

اور عبارت یوں ہونی چاہیئے تھی " قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحدیث القدسی ․ ․ ․ ․

ایک دوسری غلطی یہ ہے کہ " یا داود اھجر ھواک فانہ لا منازع ینازعنی فی ملکی الا الھوی " (ق ۳۰ الف) کو قرآنی آیت کہا گیا ہے حالانکہ یہ قرآنی آیت نہیں ہے ۔

اسی طرح ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے عبارت میں رد و بدل کردیا ہے اسی لیے کہ " وابواب رحمتہ اللہ مفتحۃ ․ ․ ․ ․ ․ عن السیات (ورق ۳۱ الف) یا تو آنے والی عبارت " وان رجعت الینا قبلناک (ق ۳۱ الف) کے بعد ہونی چاہیئے یا پھر وہاں ہونی چاہیئے جہاں " توبہ " سے بحث کی گئی ہے اور اس طرح " والقلب السلیم ھو الذی ماد خیل فیہ غیر اللہ (ق ۲۹ ب) کے بعد ہونی چاہیئے ۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کتاب کا نام " وصیۃ " ہے ، لیکن " یا اولادی " سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ مصنف نے اپنے صلبی اولاد کو مخاطب کیا ہے چوں کہ عبدالکریم بن محمد صوفی تھے اور جس طرح ایک شیخ اپنے تمام مریدوں کو اولاد کی طرح سمجھتا ہے اور اولاد سے خطاب کرتا ہے ، اسی طرح شیخ اپنے تمام مریدوں کو اولاد کی طرح سمجھتا ہے اور اولاد سے خطاب کرتا ہے ، اسی طرح شیخ عبدالکریم بن محمد لاہوری نے بھی اپنے تمام مریدوں کو اس وصیت کے ذریعے خطاب کیا ہے ۔

کتاب آٹھ وصیتوں پر مشتمل ہے : (۱) تقوے کی حقیقت (۲) صوفیوں سے محبت کرنے کے بارے میں (۳) توبہ اور اس کی حقیقت (۴) اللہ کی طرف کلی طور پر راغب ہونے کے بارے میں (۵) نفس کی مخالفت (۶) مخلوق کی بھلائی (۷) لا الہ الا اللہ کا ذکر اخلاق کے ساتھ (۸) امارت کی حالت میں تواضع اختیار کرنا ۔

عبدالکریم بن محمد لاہوری اور تصوف

عبدالکریم باعمل صوفی تھے اس بات کا ثبوت نہیں مل سکا ہے کہ یہ کس کے شاگرد اور مرید تھے[۸]

[۸] خزینۃ الاصفیاء (۲ : [illegible]) [illegible] ۱۹۳ میں لکھا ہے کہ عبدالکریم ، نظام الدین بلخی کے مرید تھے اور یہی دوسرے تمام سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے ۔ نزہۃ الخواطر ، عبدالحی لکھنوی ، ۵ : ۲۳۴ ۔ پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ۲ : ۲۸۲ ۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ، زبید احمد ، ص ۱۰۶ ۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے

آپ بہرحال نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی تھے، اس لیے کہ اپنی کتاب "عقاید الموحدین" میں (جو ۹ بابوں پر مشتمل ہے اور آخری باب کا نام ہی "وحدۃ الوجود" رکھا ہے) اس عقیدے کی تائید میں لمبی چوڑی بحث کی ہے اور ایک منطقی دلیل پیش کرکے ظاہر کیا ہے۔

"واعلم ان اللہ منزہ عن الحد والنہایۃ ...... ففی کل درجۃ لہ ظہور۔

(عقائد الموحدین، ق ۲۵ الف)

عبدالکریم بن محمد لاہوری کا استدلال ہے کہ خدا تعالیٰ منزہ عن الحدود والنہایۃ) ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شے اس سے خالی نہیں ہے۔ بہ شکل دیگر یہ معنی ہوں گے کہ خدا اشیا تک محدود ہے اور اشیا از خود موجود ہیں۔

اس نظریہ وحدۃ الوجود کی تائید میں انھوں نے یہ حدیث بھی پیش کی ہے۔

"کان اللہ فی الازل ولم یکن معہ شئی، وھو الآن علی ما کان"

ازل میں اللہ ہی تھا اور اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی، اور ہنوز وہ اسی طرح ہے۔

منجملہ دیگر مباحث کے، دوسری وصیت میں صوفیوں سے محبت کرنے کے بارے میں عبدالکریم نے جس خیال کا اظہار کیا ہے اس میں سے اگر مندرجہ جملوں کو مثلاً "صوفیوں سے وہی بغض وعناد رکھتا ہے جو بدبخت اور منافق ہو" یا یہ کہ "جب اہل تصوف کا انکار اکثریت کرنے لگے تو اس وقت مخلوق پر اللہ کا غضب شدت اختیار کر لیتا ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے" کہ سیاق وسباق سے علیحدہ کرکے پڑھا جائے تو پھران لوگوں کا نکتہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو تصوف پر اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر انھیں سیاق وسباق کے مطابق پڑھا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف سے کیا مراد ہے؟

عبدالکریم لاہوری باعمل صوفی تھے جس کے لیے علم ضروری ہے، مصنف نے علماء کی تین اقسام گنوائی ہیں، ایک علمائے دنیا، دوسرے علمائے آخرت یعنی زہاد اور تیسرے علمائے باللہ یعنی صوفیہ ہیں جو عارف ہوتے ہیں، یہ الفاظ دیگر جو عرفان رب کے حامل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عرفان

اس لیے کہ زیر بحث عبدالکریم وہ نہیں ہیں جن کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا، اس لیے کہ خزینۃ الاصفیا کا یہ بیان کہ عبدالکریم، مخدوم الملک عبداللہ انصاری کے لڑکے تھے صحیح نہیں ہے، اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

بغیر صحیح علم کے حاصل نہیں ہوسکتا جس کے لیے قرآن، حدیث کا جاننا ضروری ہے گویا مصنف نے اس فرق کو ختم کردیا جو شریعت اور طریقت دو مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں اور جس کی بنیاد پر تصوف کو بدنام کیا گیا ہے۔

تصوف کا مفہوم عبدالکریم لاہوری کے نزدیک یہی ہے کہ شریعت کا عالم ہو اور اس کے مطابق عمل کرے تو وہ حقیقی صوفی ہے۔

اب عبدالکریم بن محمد لاہوری کی کتاب "وصیۃ" کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

متن کا ترجمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریف اللہ کے لیے جو شرکت سے پاک ہے، اور برگزیدہ نبیؐ اس کی اولاد، اور اس کے مقدس ساتھیوں پر درود و سلام ہو۔

درود و سلام کے بعد، شیخ عبدالکریم بن محمد لاہوری جو بزرگ امام اور قابلِ قدر ہستی ہیں اور جو ہماری رہنمائی اللہ کی طرف کرنے والے ہیں، بیان کرتے ہیں۔

اے میری اولاد! اللہ تمھیں اپنے پسندیدہ عمل کی توفیق عطا فرمائے میں تمھیں اللہ سے ظاہری و باطنی تقوے کی وصیت کرتا ہوں، ظاہری تقوے سے مراد انسان کا اپنے اعضاء جوارح کو گناہ سے بچانا ہے اور باطنی تقوے سے مراد انسان کا اپنے قلب کی حفاظت کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ قلب میں سوائے اللہ کے اور کسی کا ڈر نہ ہو، اور یہی مکمل ایمان کی شرط ہے، اور جب مومن کا ایمان مکمل ہو جائے تو وہ اللہ کا دوست ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے[۹]

دوسری وصیت یہ کرتا ہوں کہ تم صوفیوں سے جو عارف باللہ ہیں، ان سے محبت کرنا اور ان کا ظاہری اور باطنی طور پر انکار نہ کرنا، اس لیے کہ انکار کرنا بدقسمتی ہے اور ان کی محبت کا انکار کرنے والا بدنصیب ہوتا

---

۹ یونس - ۶۲-۶۳

ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ سے وابستہ رہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اہل تصوف کے پاس بیٹھا کرے[١٠]

اہل تصوف وہ لوگ ہیں جنھوں نے عالم طبعی سے علیحدگی اختیار کرلی ہے اور عالم حقیقت تک پہنچ چکے ہیں۔ عالم حقیقت وہ عالم ہے جہاں دوئی اور بغض کا تصور نہیں ہوتا، اس لیے ایسے لوگوں کا انکار کرنا گویا اللہ کا انکار کرنا ہے اور گویا اس سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء روئے زمین پر اللہ کے وکیل و نمائندہ ہیں، اس لیے جو ان کی توقیر نہیں کرتا، اللہ ایسے لوگوں کی توقیر نہیں کرتا، اور جو ان کی خدمت کرتا ہے اللہ ان کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہے۔[١١]

فقراور حقیقت اللہ کی طرف کلیۃً رجوع کرتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے وہ عارف باللہ ہوتے ہیں اور اہل حقیقت کا اس پر اس پر اتفاق ہے کہ صوفیوں سے ہر ایمان دار محبت کرتا ہے اور ان سے صرف وہی بغض و عناد رکھتا ہے جو منافق ہو۔

تصوف صرف ظاہری طور طریق کا نام نہیں ہے، بلکہ تصور کے ایک خاص معنی اور اس کی ایک حقیقت ہے اور جب اہل تصوف کا انکار اکثریت کرنے لگے تو اس وقت مخلوق پر اللہ کا غضب شدت اختیار کرلیتا ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے۔

تیسری وصیت یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی گناہوں سے توبہ کرتے رہنا۔ ظاہری گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب اعضاء و جوارح کرتے ہیں باطنی گناہ وہ ہے جو محسوس نہیں ہوتے اور جو انسان سے دھوکے فریب، حسد، کینے اور دشمنی کی صورت وغیرہ جیسے برے اعمال کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور باطنی گناہ ظاہری گناہ سے بہت زیادہ خطرناک ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے (جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)[١٢] اور قلب سلیم وہ ہے جس میں اللہ تعالی کے سوا کسی کا گزر نہ ہو۔

---

[١٠] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں ہے کسی صوفی کا قول ہوگا (ادارہ)

[١١] ان الفاظ پر مشتمل کوئی حدیث نہیں ہے (ادارہ) [١٢] الشعراء ٨٨، ٨٩۔

چوتھی وصیت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف کلی طور پر راغب ہو جاؤ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے "اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر خدا کو شریک (خدا) بناتے اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی کے سب سے زیادہ دوست دار ہیں"[۱۳]

چونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا سب کو بھول جائے، اس لیے کہ جب اللہ سے محبت شدید ہوتی ہے تو وہ اللہ کے سوا سب کو بھول جاتا ہے۔ جیسا کہ زلیخا اور یوسف کے قصے سے ظاہر ہے کہ جب زلیخا کی محبت یوسف کے لیے مخصوص ہوگئی تو زلیخا ہر چیز کو یوسف سے نام پکارتی تھی، عاشق کے دل میں جب کسی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس محبت پر استقامت ہو جاتی ہے تو عاشق پر محبوب کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔

محب صادق کی ایک قسم وہ ہے کہ اس پر محبوب کی حقیقت ایک خاص صورت میں عیاں ہوتی ہے دوسری قسم یہ ہے کہ محبوب کی حقیقت تمام ظاہری صورت سے متعلق ہوتی ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ محبوب کی حقیقت معنوی طور پر عیاں ہو جاتی ہے۔ پہلا مبتدی ہے، دوسرا متوسط ہے اور تیسرا منتہی، اور اس تمام بھلائی کی کنجی عارف باللہ کا خدا کے سامنے کامل تسلیم و رضا کا نام ہے، اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کی محبت شدید ہو جاتی ہے تو وہ طریق حق پر چل پڑتا ہے اور اس طریق حق کو صرف اللہ کے عالم بندے ہی جانتے ہیں۔

علماء تین قسم کے ہوتے ہیں: علمائے دنیا، علمائے آخرت اور علماء باللہ، علمائے دنیا وہ ہیں جو قاضی، مفتی اور مدرس ہوتے ہیں اور ان کا علم دنیا داری کا علم ہے، اس لیے ان کا علم صرف دنیا ہی میں ان کو منافع پہنچاتا ہے، دنیاوی منافع میں عزت، امراء و سلاطین کے یہاں مرتبہ اور مناصب قضا، فتویٰ، تدریس اور کثیر مال کا حصول جو فانی ہے)، علمائے آخرت وہ ہیں جو زاہد و تارک الدنیا ہیں، یہ لوگ فنا ہونے والی خواہشوں کو ترک کر کے باقی رہنے والی خواہشات کے لیے چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے کہ جنت اور جو کچھ اس میں ہے وہ انسانی خواہشات کی تکمیل کی جگہ ہے، جیسا کہ خدا کا فرمان ہے (اور وہاں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے موجود ہوگا)، (الزخرف: ۷۱) اور علماء باللہ وہ ایسے صوفی ہیں جو عارف ہیں اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طلب نہیں کرتے،

---

[۱۳] البقرہ – ۱۶۵

اوران کی یہ کیفیت ہے کہ رب کو پالیا تو گویا سب کچھ پالیا، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہے "اے میرے بندے جب مجھے تو نے پالیا تو پھر تیرے لیے سب کچھ موجود ہے اور جب تو مجھے نہ پاسکا تو پھر تو کچھ نہ پاسکا اور ایسے لوگ ہر شے میں تصرف کرسکتے ہیں۔

میری پانچویں وصیت یہ ہے کہ تم نفس و خواہشات کی مخالفت کرنا اس لیے کہ نفس اللہ کی نافرمانی اور اس کی مخالفت کروانا چاہتا ہے اور جو اللہ کے دشمن کا ہم نوا ہو وہ اصل میں اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد کے سلسلے میں مذکور ہے ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اے داؤد اپنی خواہشات کو ترک کر دیجئے اس لیے کہ اگر میری ملکیت میں اگر کوئی حق دار بننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ خواہشات ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے[۱۴]) "الٰہ" کے معنی ہیں جس کی اطاعت کی جائے، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس نے اپنی خواہشات کی اتباع و اطاعت کی گویا اس نے اپنی خواہشات کو معبود بنالیا۔ جنید بغدادی اور دوسرے صوفیا کا قول ہے کہ "کفر کا لباس یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی اتباع و پیروی کرے"۔

چھٹی وصیت یہ ہے کہ تمام مخلوق کی بھلائی کے لیے کام کرو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو تکلیف پہنچائے"۔

ساتویں وصیت یہ ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر خلوص کے ساتھ کیا کرو، اس لیے کہ اخلاص یہ ہے کہ جب انسان "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر (زبان) سے کہے تو پھر اس کے دل میں اللہ کے سوا کسی کو دخل نہ ہو جب انسان ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو پھر اس کے قلب میں بھی اللہ ہی اللہ ہو۔ اور جب انسان اپنے معبود اور اللہ کے ساتھ مخلص ہو جاتا ہے تو اس کو اللہ کا قرب بھی نصیب ہو جاتا ہے "لا الٰہ الا اللہ" کا معنی یہ ہے کہ حقیقت میں سوائے اللہ کے کسی کا (دائمی) وجود نہیں۔

آٹھویں وصیت یہ ہے کہ امارت کی حالت میں تواضع اختیار کرنا، قدرت کے باوجود عفو و درگزر کرنا، بغیر سوال کے دنیا اور لوگوں کو نصیحت کرنا۔

دنیا اور اس کائنات کی حیثیت اللہ کے نزدیک معمولی مچھر کے پر کی طرح ہے اور یہ دنیا ختم ہو جانے

---

[۱۴] الفرقان: ۴۳۔

والی سب ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے (جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی ہے[۱۵] رحمتِ خداوندی کے دروازے توبہ کرنے والوں کے لیے کھلے رہتے ہیں خداتعالیٰ کا ارشاد ہے (اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور (ان کے) قصور معاف فرماتا ہے[۱۶]۔

بنی اسرائیل میں ایک شخص رہتا تھا جس نے بیس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ پھر اس کے بعد بیس سال تک وہ غافل رہا اور اس کی نافرمانی کی۔ ایک دن جب اس نے آئینہ دیکھا تو اس کو بڑھاپے کے آثار نظر آئے۔ اس وقت اس نے کہا اے میرے رب میں نے بیس سال تک تیری عبادت کی اور اس کے بعد اسی طرح بیس سال تک تیری نافرنی کی ہے تو کیا اگر میں تیری طرف رجوع کروں تو مجھے قبول کرے گا۔ اس شخص کو ایک غیبی آواز سنائی دی۔ تو نے مجھے مانا تو میں نے تجھ کو قبول کر لیا تھا، تو نے مجھے چھوڑا تو میں نے بھی تجھے چھوڑ دیا۔

تو نے میری نافرمانی کی تو میں نے تجھ کو ڈھیل دی، اب اگر تو میری طرف رجوع کرتا ہے۔ تو میں تجھے لبیک کہوں گا ــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے اور سیدھی راہ پر وہی چلاتا ہے اسی طرح ایک قول ایمان کی صفت کے بارے میں ہے۔ ایمان ایک باطنی نور ہے جس سے بدن روشن و منور ہوتا ہے اس کی وجہ سے شکوک و شبہات اور جھوٹ کی نفی ہوتی ہے، یقین کو جنم دیتا ہے اور نفس و شیطان کے خطرول کو دور کرتا ہے قلب کو اللہ کی محبت سے بھر دیتا ہے عبد و معبود کے درمیان تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور ایمان کی بدولت اچھی باتیں عیاں ہو جاتی ہیں اور علم معرفت حاصل ہوتا ہے۔

---

[۱۵] النحل: ۹۶ ـ [۱۶] الشوریٰ: ۲۵۔

بقیہ: شذرات

اور اللہ کے ساتھ ہو اور اللہ کے لیے ہو۔ اور یہاں کا مقالہ نازل ہوا بلغوا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ لتتسلی قلوبھم۔

ترجمہ: ہمارے کو بے جاؤ کہ ہم اپنے رب سے راضی ہوئے اور وہ ہم سے راضی ہوا تاکہ ان کا دل تسلی حاصل کرے پھر یہ منسوخ ہوا۔